ہندوستان کے متعلق جاحظ کے اجمالی معلومات کا تفصیلی مطالعہ

جناب ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی صاحب - حیدرآباد دکن

(۲)

شیر کے متعلق جاحظ لکھتا ہے : (۰۷) شیر شریف سرداری کرنے والے جسیم و ذی فہم درندوں میں سب سے بڑا ہے ۔ اس کی دھاریاں زرافہ کی دھاریوں سے مشابہ ہوتی ہیں ۔

شیر اہلی نہیں ہوسکتا ۔ بعض حیثیتوں سے وہ ببر، چیتے یا بھیڑیئے سے مشابہ ہوتا ہے لیکن اگر بہت بوڑھا ہوجائے اور شکار کرنے کے قابل نہ رہے تو اس کے ناخن تراشے جاسکتے اور کچلیاں اکھاڑی جاسکتی ہیں اور انسان اس کے قریب زیادہ دیر تک ٹھہر سکتا ہے لیکن اس حالت میں بھی اس کی شدت و تیزی سے پوری طرح محفوظ نہیں رہ سکتے خصوصاً اگر وہ اپنے رکھوالی سے دور ہوجائے، سامنے جنگل نظر آئے اور آگے صحرا ہو تو پٹے تڑا کر بھاگ جاتا ہے ۔

بھوک پیاس یا غصہ کی شدت میں اتنی زیادہ دھاڑیں مارتا ہے کہ کتا بھی اتنا نہیں بھونکتا اگر زخمی ہوجائے تو دیوانے کتے کی طرح ہوجاتا ہے ۔ ببر یا چیتا جیسے بڑے بڑے درندے جن سے اس کا میل ملاپ رہا کرتا ہے وہ بھی اس کے قریب نہیں جاسکتے بعض مکھیاں ایسی ہوتی ہیں جو مخصوص جانوروں ہی کی لاش پر گرتی ہیں چنانچہ ببر زخمی ہوجائے تو مخصوص مکھیاں اس کے زخموں پر ہجوم کرتی ہیں لیکن صرف شیر ہی ایک ایسا درندہ ہے کہ زخمی ہوجائے پر بھی کسی قسم کی کوئی مکھی قریب نہیں جاتی ۔

شیر بہت بھوکا یا زخمی نہ ہو تو انسان کے بالکل قریب سے گذرنے پر بھی تعرض نہیں کرتا الا یہ کہ بہت ہی بوڑھا ہوکر جانوروں کا شکار کرنے سے عاجز ہوجائے ۔

شیر اور ببر ایک دوسرے سے کبھی نہیں لڑتے بلکہ کبھی کبھار اگر چیتا راہِ فرار مسدود پاکر ببر پر حملہ کر بیٹھے

تو شیر آخر الذکر کی مدد کرتا ہے ۔ البتہ خود چیتے پر حملہ نہیں کرتا اور نہ چیتے کو کبھی شیر پر چوٹ کرنے کی ہمت ہوتی ہے
شیر سے سوائے ببر کے سب ہی خوف کھاتے ہیں لیکن اس سے گائے بیل جتنا ڈرتے ہیں اور کوئی نہیں ڈرتا ۔
عراق میں اس کی پیدائش بہت محدود ہو جاتی ہے ۔

اس بیان میں شیر سے متعلق جاحظ کی دی ہوئی قریباً جُملہ معلومات آگئی ہیں ۔ شیر اصلاً ہندوستان کا جانور ہو یا نہ ہو اتنی بات تو قطعاً صحیح ہے کہ شیر عربی ملکوں میں ہندوستان سے براہِ ایران گیا ہے کیونکہ شیر کو عربی میں ببر کہتے ہیں جو پراکرت کے بھرو کی فارسی شکل ہے (۱ - ۷)

اردو میں ہم جس درندہ کو ببر کہتے ہیں وہ عربی میں اسد کہلاتا ہے ۔

جاحظ کا بیان کردہ نمبر الخصوص ہندی جانور بہ ترتیب حروف تہجی طوطا ہے جس کو عربی میں ببغاء کہتے ہیں ۔ لفظ ببغاء سوتی عوامی تامل زبان کے بیگ کا معرب ہے (۲ - ۷) جاحظ نے بالکل صحیح قیاس کیا ہے کہ ببغاء ان اسماء سے ہے جو بربنائے آواز وضع کئے گئے ہیں جیسے اردو میں جُھنجھنا یا جانوروں کے اسماء صوت

جاحظ نے طوطے کے قریباً وہی اوصاف بیان کئے ہیں جو ہم سب کو معلوم ہیں یعنی یہ کہ اس کا شمار فی الجملہ خوب صورت پرندوں میں ہوتا ہے حروف و الفاظ سکھائے جائیں تو وہ ان کی نقل کرنا سیکھ جاتا ہے ، وقس علیٰ ہذا طوطے کی اس مشہور خصوصیت کے علاوہ جاحظ نے اس کے متعلق کوئی اور ایسی بات جو قابلِ ذکر ہو نہیں لکھی (۳ - ۷)
البتہ گینڈے کے متعلق جس کو عربی میں کرکدن کہتے ہیں بعض بڑی دلچسپ باتیں لکھی ہیں ۔

کَرَکَدَنْ عربی میں فارسی سے گیا ہے خالص عربی لفظ تو قطعاً نہیں ہے ۔ کرکدن کا لفظ گینڈے ہی کی فارسی شکل ہونا بھی درست نہیں معلوم ہوتا ، نہ معلوم فارسی لغت نویسوں نے اس کی اصلیت کا پتہ لگانے کی کوشش کیوں نہیں کی ۔ بہرطور نہیں تو یہ کردک + گردن کا مرکب یا منحوت معلوم ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ : کردک بضم کاف عربی و بفتح دال مہملہ ۔ کے معنی ہیں قوی ہیکل ، فربہ ، موٹا ۔ اس میں گولائی کا مفہوم بھی شامل ہے ۔ گینڈے کا سینگ پیدائشی نہیں ہوتا بلکہ بعد میں پھوٹتا اور دھیرے دھیرے عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے لیکن اس کی گردن بہ نسبت دوسرے اعضا کے ابتدا ہی سے بہت موٹی ہوتی ہے اس لئے اہلِ فارس نے گینڈے کی اسی ممتاز خصوصیت کی بنا پر اس کو کردک گردن کہا ، بعد میں بغرض تخفیف خود انھوں نے یا اپنے کام و دہن کی مناسبت

سے اہلِ عرب نے تصرف کر کے کرد ک گردن سے کرگدن بنا لیا لیکن اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ تخفیف کا عمل بے ارادہ و اضطراراً ہوا ہوگا۔ یہاں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ فارسی میں ادغام، انضمام یا تخفیف کے قاعدے ایسے اور اتنے منضبط نہیں ہیں جیسے کہ عربی میں ہیں۔ کرد ک گردن میں تخفیف کے غیر اختیاری عمل کی رفتار کا اندازہ کرنا ہو تو :-

وَقَبْرُ حَرْبٍ بِمَکَانٍ قَفْرٍ وَلَیْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرٌ

دو تین مرتبہ دہرائیے پھر کرد ک گردن کو ذرا جلد جلد گردانئے عجب نہیں کہ خود آپ کی زبان سے آخر آخر میں کرگدن نکلنے لگے۔

فارسی لفظ کرد کو فرزدق نے (غالباً گولائی کے مفہوم کی وجہ سے) گردن کے معنوں میں استعمال کیا ہے مگر فارسی قاموسوں میں کرد بمعنی گردن نظر سے نہیں گذرا (۷۴)

جاحظ نے گینڈا خود کبھی نہیں دیکھا، جو کچھ لکھا ہے ہندوستانیوں سے سن کر لکھا ہے لیکن اس کے باوصف احمد بن عبدالوہاب سے کہتا ہے کہ تم جو اپنی وسیع معلومات پر اتراتے ہو گینڈے کے متعلق کچھ جانتے ہو تو بتاؤ (۷۵) اس دعویٰ کے بعد گینڈے کے متعلق اس کی دی ہوئی معلومات پڑھئے اور دیکھئے کہ جاحظ کی کرگدن دانی کتنی اور کیسی ہے۔

بطور تمہید لکھتا ہے : کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو دنیا میں کرگدن کی موجودگی کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ عنقا مغرب کی طرح جس کو فارسی میں سیمرغ کہتے ہیں، گینڈے کو بھی ایک وہمی حیوان خیال کرتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خبر متواتر سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ زبور میں اس کا ذکر آنے اور ارسطو کے اس کو اپنی کتاب الحیوان میں ہندی گدھے کے نام سے موسوم کرنے کے علاوہ (۷۶) ہندوستان کے چھوٹے بڑے سب ہی اس کے موجود ہونے پر متفق ہیں، شک جو کچھ ہے وہ صرف اس کے جنین کی حالت اور اس کی پیدائش کے متعلق ہے۔

اہلِ ہند کا خیال ہے کہ جس مقام پر گینڈا ہوتا ہے وہاں سے قریباً سو سو فرسخ دور تک کوئی جانور چرنے کے لئے نہیں آ سکتا۔ سب اس سے ڈرتے ہیں۔

ارسطو کے نزدیک گینڈا عجیب وغریب حیوان ہے۔ مگر مجھے اس میں کوئی عجوبگی نہیں معلوم ہوتی۔
اہلِ ہند کا کہنا ہے کہ گینڈے کا سینگ ڈنڈے سے زیادہ موٹا ہوتا ہے لیکن اس کا طول زیادہ نہیں ہوتا۔
وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا سینگ عاج سے زیادہ سخت اور زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

ایک ایسے شخص نے جو گینڈا دیکھ چکا ہے اور جس کی سمجھ بوجھ پر مجھے اعتماد ہے اور میں اس کی دی ہوئی خبروں پر بھروسہ کرتا ہوں۔ مجھ سے بیان کیا کہ گینڈے کا سینگ اس کی پیشانی پر وسط میں ہوتا ہے جڑ کے پاس اس کا دَور دو بالشت ہوتا ہے اس کی جسامت بھی تقریباً اتنی ہی ہوتی ہے البتہ لمبائی اتنی نہیں ہوتی جتنی کہ اس کی موٹائی کے تناسب سے ہونی چاہیئے۔ یہ سینگ نہایت صاف اور چکنا ہوتا ہے کھردرا، بھربھرا یا اندر سے کھوکھلا نہیں ہوتا بلکہ گٹھا ہوا، چمک دار اور نہایت سخت ہوتا ہے۔ اس پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ یہ بصرہ سے چین جاتا ہے کیوں کہ ہندوستان سے وہ پہلے بصرہ ہی آتا ہے۔ اگر اس کو تراشیں تو تراشے ہوئے حصول پر عجیب وغریب شکلیں نظر آتی ہیں ان صفات کے علاوہ بعض اور دوسری خصوصیتوں کی وجہ سے بھی اس کی مانگ رہتی ہے۔

پھر جاحظ لکھتا ہے: عوام کہتے ہیں کہ ساری مخلوق میں گینڈا ہی سب سے کم پایا جاتا ہے کیونکہ اس کی مادہ بہت کم حاملہ ہوتی ہے۔ حمل ہوتا بھی ہے تو اُس کے استقرار کی مدت اتنی طویل ہوتی ہے کہ کسی اور جانور کی نہیں ہوتی۔ یہ ان حیوانوں میں ہے جو ایک جھول میں صرف ایک ہی بچہ دیتے ہیں۔ بعض دوسرے بڑے بڑے حیوانوں کی طرح مادہ اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے بہت کم بچے زندہ بچتے ہیں۔ پیدائش سے پہلے ہی جنین مکمل ہوتا ہے اس کے دانت اور سینگ نکل آتے اور کھُر بھی سخت ہوتے ہیں۔

آگے لکھتا ہے: گینڈے کے بچے کے بارے میں اہلِ ہند ایک ایسی بات بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ بات متعدد ہندیوں کی زبان پر نہ ہوتی تو بہت سے لوگ بلکہ اکثر اہلِ دانش بھی اس کو از قسمِ خرافات سمجھتے۔ ہندیوں کا خیال ہے کہ گینڈے کی مادہ کے ایامِ حمل جب اختتام کے قریب ہوتے ہیں جنین پختہ ہو جاتا ہے اور مشیمہ پھٹنے لگتا ہے تو بعض مرتبہ جنین بچہ دانی سے سر باہر نکال کر پودوں کے اطراف سے کچھ کھا لیتا ہے اور جب سیر ہو جاتا ہے تو پھر اپنا سر اندر کر لیتا ہے یہاں تک کہ جب حمل کے دن پورے ہو جائیں، جنین کے رہنے کی جگہ

اُس پر تنگ ہوجائے، رحم اس کو برداشت نہ کرسکے تو وضع حمل ہوتا ہے نومولود اتنا قوی ہوتا ہے کہ خود کھا پی سکے اور اپنی حفاظت کر سکے اس حالت میں بھی کوئی حیوان یا درندہ اس سے تعرض نہیں کرسکتا۔

ہندوستانیوں کا یہ قول نقل کرنے کے بعد جاحظ نے اسی پر اپنا شک وشبہ اس طرح قلم بند کیا ہے۔ دانت نکلے ہوئے بچے کا پیدا ہونا تو قابل انکار نہیں، بعض انسانی بچّوں کے متعلق بھی اس مظہر کا ذکر کیا گیا ہے گو میں کسی ایسی دایہ یا طبیب سے واقف نہیں ہوں جو اس کی تصدیق کرے لیکن گینڈے کے متعلق یہ جو کہا گیا ہے کہ اس کا جنین بچّہ دانی سے منہ باہر نکال کر چرتا رہتا ہے تو یہ واقعی ایک نادر بات ہے۔ اگر چرنے کے بعد لید نہیں کرتا تو یہ نہایت تعجب انگیز ہے اور اگر بچہ دانی ہی میں لید کرتا ہے تو اور بھی حیرت زا ہے۔ میں روایت کی صحت کا اقرار نہیں کرسکتا گو ایسا ہونا محال یا ممتنع نہیں معلوم ہوتا لیکن اس کے باوصف میرا دل اس کو قبول نہیں کرتا۔ باوجود اہل ہند کے بار بار ایسا کہنے کے میں اس کے انکار ہی کی طرف مائل ہوں کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جن کے لئے مشاہدہ ضروری ہے۔

جاحظ کے اس اظہارِ شک و میلانِ انکار کے باوصف مسعودی نے اس پر جو تنقید کی ہے وہ بھی دیکھ لیجئے، مسعودی لکھتا ہے (۷۷) و قد زعم الجاحظ ان الکرکدن یحمل فی بطن امه سبع سنین وانه یخرج راسه ...... جاحظ کا خیال ہے کہ کرکدن کی مدتِ حمل سات سال ہوتی ہے اور یہ کہ جنین الخ۔ میں نے سیراف کے ان لوگوں سے جو ہندوستان دیکھ چکے تھے، جاحظ کے بیان کے متعلق دریافت کیا کہ آیا گینڈے کا جنین وضع حمل سے پہلے ہی بچّہ دانی سے منہ باہر نکال کر چرتا اور پھر اندر چلا جاتا ہے تو ان لوگوں نے اس کی توثیق نہیں کی بلکہ اس کو غلط بتایا پھر میں خود ہندوستان میں جن تاجروں سے ملا اُن سے بھی یہ سوال کیا تو اُن لوگوں نے بھی انکار کیا اور کہا کہ گینڈے کے حمل کا استقرار و وضع بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے گائے یا بھینس کا۔

مسعودی اس کے بعد لکھتا ہے، معلوم نہیں جاحظ نے یہ روایت کس کتاب سے نقل کی ہے یا کسی سے سُن کر لکھی ہے۔

مسعودی کی مندرجہ صدر تنقید کے متعلق یہ کہنے کی مشکل ہی سے ضرورت ہے کہ اس نے جاحظ کا پورا

بیان نہیں پڑھا ورنہ ایسا بے بنیاد الزام نہ لگاتا۔

جاحظ کی اس روایت کے سلسلہ میں ایک سوال کئے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کیا یہ ممکن ہو کہ ہندوستانی تاجر یا ملاح نے کیانگرد کو دور سے دیکھا ہو اور اس کے بچّے کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے خود اُس نے یا اُس کے سننے والوں نے اس کو گینڈے سے منسوب کر دیا ہو کیونکہ خود بقول جاحظ اہل ہند گینڈے کے متعلق بہت سی بے سر و پا باتیں بیان کر دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ عرب تاجر و ملاح ان سارے جزیروں کو بھی ہندوستانی علاقہ سمجھتے ہیں جو مشرقی بحیرۂ عرب اور پورے بحر ہند خاص کر جنوبی و مشرقی بحر ہند میں موجود ہیں۔ اگر ان علاقوں میں آج کیانگرد نہیں پایا جاتا تو کیا یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ بارہ سو سال قبل بھی نہیں پایا جاتا تھا ۔ ؟

یہاں خواہی نخواہی جاحظ کی مدافعت کرنی مقصود نہیں اور خود اس کے بیان کی موجودگی میں اس کی ضرورت بھی نہیں۔ صرف اتنا اضافہ کرنا ہے کہ ہندوستانی گینڈوں کے متعلق بہت سی ایسی باتیں بھی کرتے تھے جس کا جاحظ کی عقلِ سلیم فوراً انکار کر دیتی تھی۔ ایک جگہ لکھتا ہو: عوام شدّت و قوت میں گینڈے کی مثال دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بعض وقت ہاتھی کو اپنی سینگ پر اٹھا لیتا ہے اور ہاتھی کے بوجھ کا اس کو احساس بھی نہیں ہوتا یہاں تک کہ ہاتھی چر جاتا ہے حال آں کہ یہ بات از قبیل خرافات ہے۔

اب گینڈے کی ندرت سے صرفِ نظر کر کے مور کی خوبصورتی پر توجہ کیجئے کہ جاحظ کے بیان کردہ خالص ہندی جانوروں میں یہ بھی ہے کہ اس کے بیان کے مطابق سارے حیوانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت بھی حتیٰ کہ اس کے حُسن کی بنا پر اس کو جنّت کا پرندہ کہا گیا ہے۔

مور کو عربی میں طاؤس کہتے ہیں اور لغویوں کا اتفاق ہو کہ یہ لفظ معرب ہو۔ اصل کے بارے میں تلاش و تفحص سے معلوم ہوا کہ یہ قدیم تامل زبان کا لفظ ہو "عہد نامہ قدیم" میں بھی آیا ہو۔ قدیم تامل ۔ ملیالم میں یہ لفظ "توکی" اور "توسی" ہے۔ دکھن کے جنوب مغربی ساحل سے مور پہلے یونان گیا اور وہاں سے عرب ملکوں میں آیا (۷۸)

عربی میں ہندی الفاظ کی نشان دہی و تحقیق ایک مستقل موضوع بحث ہو اس لئے یہاں صرف نتیجۂ

تحقیق بیان کردیا گیا ہے ۔ لسانی تحقیق کی تفصیلوں میں اُلجھے بغیر مور کے متعلق جاحظ کی اطلاعات میں پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس پرندہ کے تعلق سے کوئی ایسی خصوصی بات نہیں بتائی ہے جو قابل غور و تامل ہو۔ وہی عام باتیں لکھی ہیں جو قریباً ہم سب کو معلوم ہیں کہ مور کا حُسن اس کے پروں کی بوقلمونی و ترتیب میں ہے ہر جنس میں مادہ سے زیادہ نر خوبصورت ہوتا ہے مور کی مادہ اس کلیہ کا کوئی استثنا نہیں ہے مور کے پروں کی خوبصورتی کے ساتھ اُس کے آواز کی چنگھاڑ اور اس کے پاؤں کی بدصورتی و بدہیئتی بھی مسلّمات سے ہے بقول شخصے اگر مور ساری دنیا کا مالک ہوجائے تو یقیناً سب سے پہلے موزے خریدے گا ۔ سمجھ بوجھ کے اعتبار سے بھی مور عقل مند نہیں بلکہ احمق ہے ۔ مادہ مور مستی کے انڈے ـــــ بیض الریح ـــــ بھی دیتی ہے عموماً خریف یعنی خزاں کی ابتداء میں پت جھڑ کے ساتھ ہی اس کے پر بھی گرنے لگتے ہیں اور موسم بہار میں جب درختوں پر نئی کونپلیں آتی ہیں تو اُس کے بھی نئے پر نکلنے شروع ہوتے ہیں ۔

مور کے انڈے مرغی بھی سینک لیتی ہے بشرطیکہ دانہ پانی اس کو سینے ہی کی جگہ مہیا کیا جائے ۔ لیکن دو سے زیادہ نہیں سینک سکتی اور خود اپنے انڈوں کی موجودگی میں مور کے انڈے نہیں سیتی ۔ مرغی کے سینکے ہوئے انڈوں کے مور اتنے خوبصورت نہیں ہوتے جتنے کہ خود اس کے سینکے ہوئے انڈوں سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں ۔ مرغی کے سینکے ہوئے انڈوں کے مور بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور اُن کی آواز بھی زیادہ مکروہ ہوتی ہے (۷۹)

چونکہ مور مغربی ایشیا میں بہت کم پایا جاتا تھا اور دوسرے خاص کر دھوپ میں دیکھنے سے اس کا رنگ آنکھوں کو خیرہ سا کردیتا تھا اس لئے معائنہ و مشاہدہ کی بجائے عقلی ٹکل مارنے والے اسی کولے اُڑے ۔ اسی قسم کے لوگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے ابن عبدالوہاب سے جاحظ پوچھتا ہے ۔ مور کی دُم کا رنگ تو بتاؤ ؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کا فی الواقعی کوئی رنگ ہوتا ہی نہیں بلکہ دوسرے رنگوں کے بالمقابل ہوتے رہنے سے طرح طرح کا نظر آتا ہے یا پھر یہ رائے ہے کہ رنگ تو صرف ایک ہی ہوتا ہے اور باقی سب تخیل ؟!!! (۸۰)

حاصل کلام یہ کہ اہل عرب کو مور سے کوئی خصوصی دلچسپی نہیں ہوئی لیکن جاحظ کے مذکورہ ہندوستانی

جانوروں میں ہاتھی کی حیثیت سب سے جُدا ہے۔ صرف ہندوستانی جانوروں ہی میں نہیں بلکہ شاید حیوانی دنیا میں ہاتھی ہی عربوں کے لئے سب سے زیادہ حیرت انگیز حیوان ہے۔

غالباً افریقہ کی قربت کی وجہ سے ہاتھی سے اہل یمن کی واقفیت بہت قدیم ہے۔ عام الفیل سے سیکڑوں سال پہلے شاہانِ حمیر و تبع و عبہل کے یہاں اس جانور کی موجودگی قریباً یقینی ہے۔ سدِّ مارب و سیل عرم کا ذکر کرتے ہوئے اعشیٰ بصیر کہتا ہے ؎ (۸۱)

وَطَارَ الفُيُولُ وَ فَيَّالُهَا　　بِتَيْهَاءَ فِيهَا سَرَابٌ يَطُمّ

اس کے باوجود یہاں ایک لغوی عقدہ کھولے بغیر آگے بڑھنا نامناسب ہوگا عربی میں فیل، فارسی لفظ پیل کا معرب ہے اور پیل بالکل ذرا سے فرق سے پہلوی اور سنسکرت میں مشترک ہے۔ سنسکرت میں پِلُو یا پلُ ہے۔ ضمناً یہ یاد رکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ژندہ پیل فارسی کے ژند بمعنی بزرگ و مقدس اور پیل سے مرکب نہیں بلکہ سنسکرت کے لفظ چھنڈ، چھینڈ یا چھنڈ ـــــــــ بتقدیم نون غنہ ـــــــــ بمعنی غضبناک اور پِلُو سے مرکب ہے۔ فارسی اور عربی لغویوں کو ان کی بے غوری و ناواقفی اندھیرے میں بھٹکاتی رہی ہے یہاں تک کہ زبان میں بھی اٹکل مارنے والوں نے ژندہ پیل کو زندہ پیل بنا دیا ہے اور اسی طرح ہاتھی کی دو قسمیں قرار دے لیں !! (۸۲)

جاحظ خود کوئی ہندی زبان نہیں جانتا تھا اس لئے ژندہ پیل کے حقیقی معنی تک نہیں پہنچ سکا لیکن اس کے معنوں میں بکثرت اختلاف دیکھ کر صاف صاف لکھ دیا ہے کہ عربوں کو اس اسم کا متعین مسمٰی معلوم نہ ہوسکا (۸۳)

بہرطور کہنا یہ ہے کہ اگر اہلِ عرب افریقہ کی قربتِ مکانی کی وجہ سے ہاتھی سے واقف تھے تو اس کے لئے انھوں نے حبشی لفظ کیوں نہیں لیا؟ منصوص شہادت پیش کرنا توفی الوقت ممکن نہیں البتہ قیاس کہتا ہے کہ اہل یمن کے پاس فیل کا مترادف ہوگا اور وہ حمیری زبان کا لفظ ہوگا۔ یا اُس میں حبش سے آیا ہوگا اور یمن میں ہاتھی اتنی تعداد میں جمع نہیں ہوئے ہونگے کہ وہ شمال کی طرف جاسکیں اس لئے حجازی عربوں میں فیل کا لفظ بہرحال اہلِ فارس کا تحفہ ہے۔

یمنیوں کے پاس ہاتھی ہوں یا نہ ہوں اتنا تو یقینی ہے کہ جزیرۃ العرب اور خاص کر اہل حجاز کے عربوں کی ہاتھی سے خصوصی دلچسپی اور اس سے ان کی حیرت زدگی کی ٹھیک ٹھیک ابتدا ر "اصحاب الفیل" کے "کید کی تضلیل" سے شروع ہوتی ہے (۴۴) جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور ہاتھی سے واقفیت بڑھتی گئی عربوں کے دلوں سے اس مہیب چوپایہ کی وحشت و عظمت ممکن ہے کچھ کم ہوئی ہو لیکن ان کے استعجاب و حیرت میں کوئی کمی نہیں بلکہ زیادتی ہی ہوتی گئی۔ ہاتھی سے متعلق اُن میں جو طرح طرح کے فسانے، لطیفے و نادرے مشہور ہوئے اُن سے قطع نظر اگر کوئی وطن پرست ہندی، ملکوں ملکوں کے ٹکٹ جمع کرنے کی بجائے یا اس شغل کے ساتھ ساتھ "دیوانِ عرب" سے صرف وہ شعر چُننے لگے جن میں کسی نہ کسی حیثیت سے لفظِ فیل آیا ہے تو ایسے اشعار کی تعداد بھی عجب نہیں کہ سیکڑوں سے متجاوز ہو جائے۔ کھلنڈروں کی حیرت سے صَرفِ نظر کیجئے، زاہدوں کی عبرت پذیری کو بھی جانے دیجئے جاحظ نے اپنا جو ذاتی واقعہ بیان کیا ہے اسی کو سُن لیجئے۔ حیرت و عبرت کے دونوں رُخ شاید ایک ہی بیان میں نمایاں ہو جائیں۔

"عید کے دن میں مشرقی بغداد کے محلہ کی طرف نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ٹیلہ ہے دھاری دار پارچوں اور رنگ برنگی کپڑوں سے ڈھکا ہوا گویا کسی مقدس چیز کو احترام کے لئے ڈھانکا گیا ہے۔ لوگ اس کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے اور یہ سب مسلح تھے۔ میں نے نمازِ عید سے واپس ہونے والوں میں ایک شخص سے پوچھا: آج عید کے دن یہ لوگ ہتھیار لگائے اس ٹیلہ کو کیوں گھیرے ہوئے ہیں؟ میرے دریافت کرنے پر اُس نے بتایا کہ یہ ٹیلہ نہیں ہاتھی ہے! یہ سُن کر مجھے اس کے قریب جانے اور اس کا کان دیکھنے کی غیر معمولی خواہش ہوئی۔ چنانچہ نزدیک جا کر دیکھا۔ ایک ایک عضو پر نظر ڈالتا رہا اور سوچتا رہا لیکن سب سے زیادہ اُس کے کان پر حیرت ہوئی، اسی پر بہت دیر تک غور کرتا رہا، سارا دن اسی کا خیال میری فکر پر غالب رہا۔ جب میں نے اس کا ذکر اپنے دوست سہل بن ہارون سے (م ۲۱۵ھ، مامون کا مصاحب اور بیت الحکمۃ کا ناظم) کیا تو اُس نے اپنی دو بیتیں سُنائیں جن میں اُس نے اپنے ایسے ہی تجربہ کا ذکر کیا ہے۔"

اس ایک واقعہ سے اندازہ لگا ہے کہ جاحظ جیسے بالغ نظر ادیب نے ہاتھی کے متعلق کیا کچھ نہیں لکھا ہوگا۔ الحیوان کے دوسرے حصوں میں ہاتھی سے متعلق چھوٹے یا بڑے بہت سے ضمنی بیانوں کے علاوہ

خاص فیل کی فصل قریباً ڈیڑھ سو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے ۔ اس جزو کی ابتدا ہی جس شان سے ہوئی ہے وہ بجائے خود جاحظی اسلوب کا ایک شاہکار اور عربی ادب کا ایک مثالی نمونہ ہے ۔

ہاتھی کی قسمیں، قرآن میں اس کا ذکر، خنزیر و مچھر سے اس کی مشابہت، دوسرے حیوانوں سے اس کا تقابل، اس پر جغرافیائی ماحول کا اثر، اس کی غذا، اس کی جسامت، سونڈ اور اس کے وظائف، عاج اور اس کی قسمیں، اُن کا رنگ، وزن اور قیمت ۔ کان، پانوں جلد اور چربی کے مختلف استعمال، اس کی قوت، چنگھاڑ، مستی، توالد، تناسل، عمر، ان کی باہمی دوستی و دشمنی، اس کی تیراکی، تادیب کا اثر، سوجھ بوجھ، بلّی سے خوف کھانا، بادشاہوں کے یہاں اس کی قدر، اس کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر، ہاتھی کو پسند و ناپسند کرنے والوں میں اس کے فائدوں اور مضرّتوں کے بارے میں مناظرے و مکالمے، اس کے متعلق حکایتیں اور اشعار !!

یہ بطور نمونہ صرف چند موضوع ہیں جن کے متعلق جاحظ نے اپنے پیش رو، خاص کر ارسطو کے بیانات اپنی معتبر سماعی اطلاعیں اور اپنے مشاہدے قلم بند کئے ہیں ۔ جاحظ کے ان منتشر و مجتمع معلومات سے ایک "فیل نامہ" مرتب کرنا اور اس کو اردو میں منتقل کرنا تھوڑے یا بہت فائدے سے ہرگز خالی نہیں لیکن وہ بجائے خود ایک مستقل کام ہے اس سے پورا پورا استفادہ بھی اسی وقت ہو سکے گا جب کہ کوئی عالم حیوانات یہ کام ماہرانہ طریق پر انجام دے اس لئے جاحظ کے خالص فیلیاتی معلومات اس کے متفحص کے لئے چھوڑ کر یہاں بطور مثال صرف چند ہی معلومات کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے (۸۵)

تفصیل میں جانے سے پہلے جاحظ نے ہارون بن موسیٰ ملتانی کے ایک قصیدے سے چند اشعار نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ شاعری میں وہ کمیت سے مقابلہ کیا کرتا تھا ۔ اُس نے اپنے کئی قصیدوں میں ہاتھی کے اوصاف بیان کئے ہیں جن کا میں نے بھی ذکر کیا ہے ۔ یہ اشعار مجھے صفوان بن صفوان انصاری نے سُنائے ہیں جو داؤد بن یزید مہلّبی کا مصاحب تھا ۔ (۸۶)

عربی ادب کے طالب علم واقف ہیں کہ کمیت کا انتقال ۱۲۶ھ میں ہوا اور سندھ کے مورخ جانتے ہیں کہ داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی ۱۸۴ھ سے ۲۰۵ھ تک سندھ کا والی رہا جس کے دربار میں حسبِ دستور

عرب شعرو ادب کے مسامرے و مذاکرے بکثرت ہوتے رہتے تھے صفوان بن صفوان انصاری تے غالباً ہارون ملتانی کے قصیدے وہیں سُنے ہونگے جو اس زمانہ میں سندھیوں میں بہت مقبول ہونگے ان معلومات کو جوڑنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہارون ملتانی ان ہندیوں یا سندھیوں میں تھا جنھوں نے اہلِ عرب کی سب سے بڑی مزیّت، بیان و تبیّن میں اپنا لوہا منوایا اور محض قیل وقال کے ذریعہ نہیں، کہ حکمتِ ہندی کی فضیلت تو اہلِ عرب مانتے ہی تھے، بلکہ عمل کی زبان سے شہادت دی کہ خود عربی زبان میں بھی وہ خالص اہل عرب کے ہم سر اور ہم پلّہ ہو سکتے ہیں۔ اصل قصیدہ کا نقل کرنا اُردو والوں کے لئے بے ضرورت اور کاتبِ مطبع کے لئے موجبِ زحمت ہی اس لئے وہ اس فن پارہ کی ساخت و بافت کا الٹا رُخ ہی دیکھ سکتے ہیں (۸۷)

۱ - کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ ایک ایسا حیوان بھی ہے جس میں انسانی سوجھ بوجھ ہے ۔

۲ - اور جو پھرتیلی بندریا سے زیادہ ہوشیار ہے اور جس کا علم ایسا ہے جو سال خوردہ تجربہ کار ہی میں پایا جاتا ہے ۔

۳ - اور جو کوتاہ گردن و عجیب الخلقت ہو۔ کچلیاں تو بہت لانبی ہیں لیکن تالو بہت چھوٹی ہے ۔

۴ - وہ دشمن سے بڑی کچلیوں، چوڑے چکلے پیٹ اور سخت و کرخت آواز سے مقابلہ کرتا ہے ۔

۵ - اگر تم کسی دوسرے جانور پر اس کو قیاس کرنا چاہو تو معلوم ہوگا کہ یہ سور اور جنگلی بھینس سے زیادہ مشابہ ہو

۶ - لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام چوپائے اس سے مختلف ہیں۔ ساری مخلوق میں کوئی بھی اس جیسا نہیں ہوتا

۷ - ایک طرف تو وہ گوی میں بیٹھے ہوئے ببر کے سامنے سر و قد جھک جاتا ہے، یعنی ڈرنے لگتا ہے اسلئے کہ وہ بلّی سے مشابہ ہوتا ہے ۔

۸ - لیکن دوسری طرف اس کی شجاعت کا یہ عالم ہے کہ چیتے ہی نہیں بلکہ شیر کو بھی سونڈ میں لپیٹ کر اس طرح لے بھاگتا ہے کہ جس طرح ہوا کا جھونکا چھوٹے بلبل کو اڑا لے جاتا ہے ۔

۹ - اس کا جسم ایسا عجیب و غریب ہے کہ اگر اس کو تلوار دو تو اس کی ناک ہاتھ کے کرتب دکھائیگی

۱۰ - فوج میں سب سے آگے نہایت خوفناک حالت میں ٹیلے کی طرح مقابل کی صفوں کی طرف بڑھتا ہے

۱۱۔ اور اچھی طرح قدم جمائے بھاری بوجھل جسم لئے (میدانی) سیلاب کی طرح جہاں جہاں رواں ہوتا ہے۔

۱۲۔ اگر تم اس کو غور سے دیکھو تو اس کا بھیانک پن بہت زیادہ ہی معلوم ہوگا جس طرح چھلاوے کے کانوں کی بدہیئتی اس کو اور زیادہ خوفناک بنا دیتی ہے۔

۱۳۔ اس کو مغلوب کرنے کے لئے میں نے ایک بِلّا تیار کر رکھا تھا جو غضبناک ہاتھی کے لئے تو زیادہ خوفناک نہیں ہے لیکن

۱۴۔ جب ضرب و پیکار کے شور و غل اور فوجوں کی ہل چل کے غبار میں اُس نے بِلّے کی خراش محسوس کی تو اللہ نے ہم کو زبردست فتح عنایت کی۔

۱۵۔ وہ خود تو رفوچکر ہوگیا اور اپنے مہاوت کو بھی بزدلی سے اپنے بھاری بھرکم جسم سے نیچے گرا دیا۔

۱۶۔ اس کو پیدا کرنے والا ہی پاک و بے عیب ہے اور وہی ساری مخلوق کا الٰہ اور ہاتھی کا بھی رب ہے

بلّی سے ہاتھی کے خوف کی تفصیل جاحظ نے کئی جگہ بیان کی ہے۔

صفوان کا بیان ہے کہ اس قصیدہ میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ فرضی یا خیالی نہیں ہے۔ یوں بھی قدیم عربی شاعری کے قانون میں محض فرضی یا خیالی باتوں کو بطور واقعہ بیان کرنا ممنوع ہے۔ ہارون نے بھی اسی قاعدہ کی پابندی کی ہے۔ ملتانی کے دوسرے قصیدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہاں کی کئی جنگوں میں حصہ لیا تھا اور ہر جنگ میں اُس کا خاص کام ہاتھی کو مغلوب کرنا ہوتا تھا۔ ہندی تو تھا ہی فیل کشی میں مہارت پیدا کرنا اس کے لئے زیادہ مشکل نہیں تھا کیونکہ ہاتھی کی طبعی کمزوریوں سے وہ بخوبی واقف تھا۔ جنگ کے بعد جب ہر سپاہی مسامروں یا عام مجلسوں میں اپنے اپنے کارنامے بیان کرتے تو غالباً ہارون بھی اپنے کارنامے شعر کی صورت میں پیش کرتا ہوگا جس سے اربابِ محفل دوگونہ مسرور ہوتے ہوں گے۔

اس قصیدہ کے سوا اسی موضوع پر جاحظ نے اس کے دو قصیدوں کے چند اشعار درج کئے ہیں جن کی مجموعی تعداد صرف پندرہ ہے مضمون کی مناسبت کے علاوہ چونکہ ہارون ملتانی کا حال یا کلام جاحظ سے پہلے تو کیا ملتا تیسری صدی کے بعد والے ادبی یا تاریخی کتابوں میں بھی نہیں پایا جاتا اس لئے ان چند اشعار کی اُردو میں نقل، ہندی وطن دوستوں کی دلچسپی سے یقیناً خالی نہیں رہے گی۔ (۸۸)

۱۔ میں اطمینان سے دھیرے دھیرے ہاتھی کی طرف چلا حال آں کہ انھوں نے اس کی سونڈ میں ایک تلوار بھی تھما دی تھی۔

۲۔ میں دل ہی دل میں خیال کرتا رہا کہ یہ تو ایسا ہاتھی ہے جو صیقل شدہ شمشیر بُرّاں سے حملہ آور ہو رہا ہے

۳۔ اگر میں اس کے ڈر سے پیچھے ہٹ جاؤں تو بزدل و احمق تو میری معذرت قبول کرلے گا لیکن

۴۔ قوم کے دلاوروں کے نزدیک میرے منہ کو کالک لگ جائے گی ایسی گہری کالک جیسی رات کی تاریکی ہوتی ہے۔ جس کو ہر طرف سیاہی نے ڈھانک لیا ہو (یے حد رسوا اور نہایت ذلیل ہو جاؤں گا اور یہ بات مجھے سخت ناپسند تھی اس لئے)

۵۔ جست لگا کر میں نے اس کو زخمی کرنا شروع کیا۔ پھر میں اُس کے سینہ سے چپٹ گیا اور جب اُس نے مجھے سونڈ میں لپیٹنا چاہا تو میں اور زیادہ اس کے سینے سے چپک گیا' کیا کہنے میرے لپٹنے کے ا۔

۶۔ پھر اُس کے دونوں دانتوں کا سہارا لے کر اس کی چھاتی کو زخمی کر ڈالا اور ایسی بات تو ہر حمایتی کی عادت ہی ہوتی ہے۔

۷۔ اب وہ چکرانے لگا ایسا چنگھاڑنے لگا جیسا کہ کُٹا چیختا ہے اور میں یذبل وشمام کی۔ دو پہاڑوں کے نام ۔ چوٹیاں یعنی دانت لئے ہوئے میدان مصاف سے لوٹا (اس کے دونوں دانت اکھیڑ ڈالے)

دوسرا قصیدۂ ضادیہ بھی قریب قریب اسی مضمون کا ہے اس میں کہتا ہے:۔

۱۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ دشمن اس کی سونڈ میں ایک سیدھی اور بہت لانبی تلوار ۔ سیف ۔ دیئے اُسے آگے بڑھائے ہوئے لے آرہے ہیں تو میں نے اس کی پروا نہیں کی کیونکہ اس کی ناک زمین پر لگی ہوئی تھی (سونڈ بہت لانبی تھی)

۲۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا تلوار گھما رہا ہے جس کی چمک سپیدہ صبح کی طرح کھلی فضا کو روشن کر رہی ہے۔

۳۔ اور چاروں طرف سیف ایسی آسانی و پھرتی سے چلا رہا ہے گویا کوئی ہیکل نوجوان کے ہاتھ میں رسّی کا کوڑا ہے جس کو وہ نیچے اوپر دائیں بائیں جس طرف چاہے گھما پھرا رہا ہے۔

۴۔ وہ تلوار ہر اُس چیز کو کاٹ کر ڈھیر کر رہی ہے جو اُس کے سامنے آجاتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا گویا میں ایسی ڈھلوان جگہ پھنس گیا ہوں جہاں ہر دم ٹھوکر کھا جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔

۵۔ لیکن جب اُس نے میرے ایک ساتھی کا رُخ کیا تو میری طرف سے اس کی غفلت کو غنیمت جان کر میں نے ایک خود اعتماد بہادر کی طرح اُس کے دانتوں کو مضبوط پکڑ لیا پھر تو۔

۶۔ وہ چکر پھرنے لگا اور اس کے دانت ایسے شریف آدمی کے ہاتھ میں آگئے جو حرب و ضرب کا پُرانا تجربہ رکھتا اور زیرہ ہونے سے ہمیشہ بچتا ہی رہتا ہے۔

۷۔ دانت اکھڑ جانے کے بعد تو وہ ایسا سرگرداں ہو کر بھاگا کہ کسی ہندی کے پکارنے چمکارنے کی "ھئی ھئی" "بھری بھری" بھی اس کو راستہ پر نہیں لا سکی۔

ہمارے ملتانی شاعر کے ایک دوسرے سیمیہ سے جاحظ نے تین شعر ہاتھی کے اہلی و وحشی ہونے پر بطور شاہد نقل کئے ہیں، چونکہ ان کا پورا سیاق یا سباق معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے یہاں اُن کا ترجمہ نہیں دیا گیا حربی اغراض کے لئے ہاتھیوں کا بکثرت استعمال اور اس غرض کے لئے اُن کو سدھانا عربوں کے لئے جتنا حیرت ناک تھا قریب قریب اتنا ہی حیرت خیز اس کو بار برداری کے لئے استعمال کرنا تھا۔ اس لئے جاحظ نے لکھا ہے کہ بعض ملاحوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ہندوستان میں سامان کے نقل و حمل کے لئے بندرگاہوں اور عام بازاروں میں ہاتھی اس طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ گائے بیل اور یہ کہ وہ بھی ڈھور کی طرح اطاعت شعار رہتا ہے۔ اس نے یہ بھی یقین دلایا ہے کہ ماہان (موہن کی تعریب) یا نکریا نے جو ہتنی بھیجی تھی، اور جو خود میں نے سرمن رار (سامرہ) میں دیکھی تھی، وہ دراصل سندان کے ایک دھوبی کی تھی۔ یہ اُس پر میلے کپڑوں کی گٹھریاں لاد کر دھوب گھاٹ لایا لے جایا کرتا تھا۔

اسی طرح جاحظ کو اہل ہند کے اس قول پر بھی تعجب تھا کہ عوام جس کو ہاتھی کے دانت، کچلیاں یا عاج کہتے ہیں وہ دراصل ہاتھی کے سینگ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہاتھی کی کھال اتارنے پر معلوم ہوا کہ ان کی جڑ اسی مقام پر ہوتی ہے جہاں سے سینگ اُگتے ہیں۔ دوسرے سینگ دار جانوروں کی طرح یہ بھی جڑ میں کھوکھلے اور سرے پر بھرواں ہوتے ہیں۔ ہاتھی ان کو کبھی بھی کاٹنے، چبانے یا کترنے کے لئے استعمال

نہیں کرتا بلکہ صرف دفاع میں استعمال کرتا ہے جس طرح دوسرے سینگ والے جانور کرتے ہیں۔

اہلِ ہند کا بیان ہے کہ ہاتھی کی زبان کی نوک حلق کی طرف اور اس کی جڑ دانتوں کی جانب ہوتی ہے۔ اگر اس کی زبان کا محلِ وقوع ایسا نہ ہوتا تو شاید اسے بات کرنا سکھائے جانے پر وہ بات بھی کر سکتا۔ اس کی عام سمجھ بوجھ سے ایسی ہی توقع تھی۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہاتھی کی مستک سے گاڑھا پسینہ نکلتا ہے جس کی خوشبو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن ایسا سال میں ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اور وہ بھی صرف اس کے زاد بوم میں دوسرے مقاموں پر لے جایا جائے تو ایسا پسینہ نہیں نکلتا۔

ہندیوں کا خیال ہے کہ اگر ہاتھی کی لید یا اس کے عصارہ میں تھوڑا سا شہد ملا کر فرزجہ دیا جائے تو کبھی حمل کا استقرار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس تاثیر کی توثیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اگر کسی درخت پر ہاتھی کی لید چھڑکی جائے تو ایسا درخت کبھی بار آور نہیں ہوتا۔ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ زوانی الہند اپنی تازگی و جوانی باقی رکھنے کے لئے یہ عمل کیا کرتی ہیں ورنہ ہر مزاج کے لوگوں کے اُن کے یہاں آنے جانے سے کسی نہ کسی سے حمل ٹھہر جائیگا۔ یا جلد جلد بچے ہونے لگیں گے تو اُن کی جوانی طبعی عمر سے پہلے ہی ڈھل جائے گی

فیل بانوں کا کہنا ہے کہ ہتھنی کی مُدتِ حمل سات سال ہوتی ہے۔ وحشی ہتھنی حاملہ ہوتی ہے تو شکاری اُس پر نظر رکھتے ہیں۔ بچّہ پیدا ہو تو اس کو کسی نہ کسی طرح اٹھا لیتے ہیں۔ ایسا ہاتھی عموماً اسّی تا سو سال زندہ رہتا ہے۔ عراق میں بہ نسبت مادہ کے نر جلد مر جاتا ہے اور اُس کے دانت بھی زیادہ نہیں بڑھنے پاتے۔

اہلِ ہند کا خیال ہے کہ مستی کے زمانہ میں ہاتھی کھانا پینا ترک کر دیتا ہے اس لئے دُبلا ہو جاتا ہے۔

میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ ایک ہندی مہاوت اپنی ہتھنی پر سوار چلا جا رہا تھا کہ راہ میں ایک لڑکا ملا۔ مہاوت نے ہتھنی کو روکا اور ہندی زبان میں کچھ کہا تو اُس نے اپنا پیر اٹھا لیا اور لڑکا اس

اپنا پیر رکھ کر اُس کی پیٹھ پر چڑھ گیا۔

مجھ سے ایک قابلِ وثوق بحری نے کہا کہ ہندوستان میں ایک مہاوت نے اپنے ہاتھی کو خوب پیٹا تو اُس کے دوستوں نے اس کو اس کے ہاتھی کے قریب سونے سے منع کیا اور خبردار کیا کہ ہاتھی کینہ پرور ہوتا ہے ممکن ہے تجھے ضرر پہونچائے۔ مہاوت اب یہ کرنے لگا کہ گرمی میں دوپہر کو تھک کر سونا چاہتا تو ہاتھی کو کسی درخت سے باندھ دیتا اور خود پرے ہٹ کر سو رہتا۔ ایک مرتبہ ایسا ہی سو رہا تھا کہ ہاتھی نے اپنی سونڈ سے قریب پڑی ہوئی درخت کی ایک ٹہنی کھینچی۔ اُس کے ایک سرے کو پاؤں سے کچلا اور دوسرا سرا سونڈ میں پکڑ کر کچلے ہوئے سرے کو اپنے مہاوت کی لٹوں میں اُلجھا کر فوراً اپنی طرف کھینچا اور اُس کو پیروں سے کچل ڈالا۔ !!

میں جب کبھی ہاتھی کی آنکھ دیکھتا اور اس کی نظر پر نگاہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا گویا وہ کسی بڑے صاحبِ اختیار یا بادشاہ کی نظر ہے جو ہمیشہ بردبار رہنا پسند کرتا ہے۔

اگر تم ہاتھی سے ٹھٹھول کرنا اور اس کو نادانی و بے عقلی کی حالت میں دیکھنا چاہو تو اس کے آگے اخروٹ ڈال دو، وہ اپنی سونڈ کی نوک سے اس کو اُٹھانا چاہے گا اس وقت سانس لے گا تو ہوا سے اخروٹ آگے لڑھک جائے گا۔ ہاتھی پھر آگے بڑھے گا، لینا چاہے گا پھر سانس لے گا پھر اخروٹ آگے نکل جائے گا یا اِدھر اُدھر ہو جائے گا۔ ہاتھی اسی طرح کوشش کرتا رہے گا۔

ہاتھی اس مقالہ سے اپنا حصّہ بقدر رسّہ پا چکا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق قریب قریب وہ سب خبریں درج ہو چکی ہیں جو جاحظ کو براہِ راست ہندیوں سے ملی تھیں۔ دوسری اطلاعوں کا ہندوستان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا یہاں اُن کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

مذکورہ صدر حیوانوں کے علاوہ جاحظ نے سانپوں کی ایک قسم ہندیۃ بھی بتائی ہے۔ سانپوں کی فصل میں ایک جگہ لکھا ہے۔ ہر سانپ زہریلا نہیں ہوتا۔ چونکہ عوام یہ بات نہیں جانتے اور جانتے بھی ہوں تو اُن کے لئے زہریلے اور غیر زہریلے سانپ میں تمیز کرنا ممکن نہیں۔ اسلئے اگر کسی شخص کو بے زہر سانپ ہی کیوں نہ ڈس لے، وہ محض خوف و دہشت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ البتہ دو تین قسم کے سانپ تو واقعی

ایسے زہرناک ہوتے ہیں کہ اُن کا کاٹا جانبر نہیں ہوسکتا۔ انھیں میں ہندیہ بھی ہے۔

عراق میں ہندیہ زیادہ تر اصطبلوں، سراؤں اور ویران مکانوں میں پایا جاتا ہے جنگل یا صحرا میں عموماً نہیں ہوتا۔ یہ سرکنڈوں، نرکلوں یا اسی طرح کی کھوکھلی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ (۸۹)

اس عبارت کے پہلے جزء سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "ہندیہ" سے جاحظ کی مراد غالباً ناگ ہے (۹۰) اور دوسرے جزء سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سپیرے عراق میں بہت قدیم زمانہ سے موجود تھے اور سادہ لوح عوام کو اپنے کرتب دکھاتے ہوئے شہر بہ شہر بلکہ قریہ قریہ گھومتے رہتے تھے۔ مارشناسی کے سلسلے میں جاحظ نے مختلف سپیروں سے اپنی ملاقات کا ذکر کئی جگہ کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کے جو اوصاف بتائے ہیں ان سب کو جوڑنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ کے کم از کم بعض افراد اصلاً و نسلاً ہندی تھے۔ یہ بات تو قریباً ہم سب جانتے ہیں کہ سپیرے آج کل بھی خانہ بدوشوں کی سی زندگی گذارتے ہیں۔ مگر بارہ سو سال قبل بلکہ اس سے بھی پہلے بعض سپیروں کا ہندوستان سے ایران و عراق تک کا چکر کاٹنا یا عراقی مارگیروں کا ناگوں وغیرہ کی تلاش میں ہندوستان آنا بہت سوں کے لئے یقیناً حیرت کا باعث ہوگا۔

جس طرح "ہندیہ" کا ذکر ضمناً آگیا تھا اسی طرح ہندی کتوں کے متعلق بھی جاحظ نے ارسطو کا یہ خیال نقل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں لکھا کہ وہ دراصل ایک دوغلی نسل کا حیوان ہے جو طاغریس ـــ یونانی زبان میں ایک حیوان کا نام ـــ اور عام کتّوں کے ازدواج سے پیدا ہوا ہے (۹۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو کی کتاب الحیوان کا جو عربی ترجمہ جاحظ کے پیش نظر تھا اس میں طاغریس کا عربی مترادف نہیں دیا گیا تھا۔ ایسا ہوتا تو شاید اس سلسلہ میں جاحظ بھی کچھ لکھتا۔ چونکہ جاحظ نے ارسطو کی رائے نقل کرنے ہی پر اکتفا کی ہے اس لئے ہمیں بھی اس "فلسفیانہ" رائے کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

جمادات، نباتات و حیوانات کے بعد ہندوستان کی مصنوعات کا ذکر آنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ پہلے کی طرح جاحظ کے زمانہ میں بھی ہندوستان کی بعض خام پیداوار یں عرب ملکوں سے ہوتے ہوئے مغربی دنیا کے بڑے بڑے شہروں تک پہنچ جاتی تھیں مگر یہاں کی صنعتی اشیاء کا

یہ حال نہیں تھا۔ اس کے اسباب کا ذکر یہاں قطعاً غیر ضروری ہے صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ ہندی صنعتی اشیاء بہت کم برآمد ہوتی تھیں لیکن جو چند چیزیں برآمد ہوتی تھیں وہ اپنی خوبی میں لاجواب اور اپنی زیبائی میں لاثانی ہوتی تھیں۔ انھیں میں وہ مشہور سیوف قلعیہ بھی ہیں جن کو جاحظ نے ہندوستان کی خصوصیتوں میں شمار کیا ہے۔

اس سلسلہ میں عمومی لفظ سیوف الہند کے (۹۲) علاوہ قدیم عربی لفظ ہندوانی کا یاد آنا طبعی ہے جو خاص ہندوستانی مادہ اور ہندوستانی صناعوں کی بنائی ہوئی تلوار کے لئے بولا جاتا۔ ہندوستانی لوہے کی خوبی کا اندازہ تو اس سے ہوتا ہے کہ اہل عرب اس کو "جوہر الہند" کہتے تھے (۹۳) اور اس سے بنائی ہوئی ہندوانی تلوار اپنی چمک، دمک، مضبوطی اور کاٹ کے لیے اتنی مشہور تھی کہ زمانۂ قبل اسلام میں بھی بتعداد کثیر عرب آتی تھی۔ جاہلی کلام میں اس کا ذکر بار بار آیا ہے۔

کالھندوانی لا یخزیك مشھدہ وسط السیوف اذا ما تضرب البھم

زہیر کی یہ بیت مثال کے لئے غالباً کافی ہے (۹۴)

ہندوانی اور سیف قلعی ایک ہی اسم کے دو مسمیٰ ہیں یا دونوں الگ الگ ہیں؟ اس سوال کا قطعی جواب دینے کے لیے جن معلومات کی ضرورت ہے وہ فی الوقت ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ہندوانی کی طرح سیف قلعی کا ذکر قدیم عربی کلام میں بھی آیا ہے۔ فرزدق آل مہلب کی مدح میں کہتا ہے۔ (۹۵)

متقلدی قلعیة وصوارم ھندیة و قدیمة الآثار

سیوف قلعیہ کے سلسلہ میں یہ معلوم رہنا چاہیئے کہ قلعہ بفتحتین یا بجزم لام — خالص عربی قاف لام عین کے مادہ سے نہیں ہے جس کے معنی کسی شئے کو کسی شئے سے کھینچ کر نکالنے کے ہیں بلکہ سیف کے ساتھ قلعی کی صفت بالاتفاق کلہ یا کلھی کی تعریب ہے جو ہندوستان کے شمال مغرب میں کسی مقام کا نام ہے۔ بعض ناواقفوں نے ٹھیک ٹھیک تعین کے بغیر اس کا شام یا یمن میں کہیں ہونا لکھ دیا ہے۔ لیکن محتاط قاموس نگاروں اور خاص کر جغرافیہ دانوں کی اکثریت نے اس کو ہندوستان ہی کا ایک مقام بتایا ہے (۹۶)

اور ابن عبدربہ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے خلیفہ ہارون کے پاس منجملہ دیگر تحفوں کے سیوف قلعیہ بھی بھیجی تھی (۹۷) اگر یہ شہادتیں نہ ہوتیں تب بھی صرف جاحظ کا بیان قلعہ کی اصلیت بتانے کے لئے کافی تھا کیونکہ یہ اگر کہیں اور ہوتا تو سیوف قلعیہ کو ہندوستان سے خاص کرنا غلط ہوتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک جگہ انطاکیہ کے سلسلہ میں وہاں کے ایک بوڑھے شخص کا قول نقل کیا ہے جس نے پانچویں عباسی خلیفہ ہارون کو انطاکیہ میں اقامت کرنے سے روکتے ہوئے کہا تھا کہ ...... السلاح بصدا ء فیھا ولوکان من قلعتہ الھند (۹۸) یعنی یہاں تو ہندوستان کے قلعہ میں (یا ہندی قلعی کے) بنے ہوئے ہتیار بھی زنگ آلود ہوجاتے ہیں۔ اس وثیقہ سے ثابت ہے کہ قلعہ ہندوستان ہی کے ایک مقام کا نام ہے (یا یہ کہ قلعی ہندوستانی لوہے کی ایک قسم ہے) پاستانی ہندی تحریروں میں بھی کلہ نامی مقام کا ذکر آیا ہے جہاں لوہے اور سیسے کی کانیں تھیں۔ آخرالذکر سے اس کو اتنی خصوصیت حاصل ہوگئی تھی کہ کثرتِ استعمال سے قلعی خود سیسے کا مترادف قرار پایا۔

اور اگر بخیال بعض مستشرقین قلعہ کو ہندوستان کے شمال مشرق یا اس کے مشرق کا کوئی بیرونی علاقہ فرض کیا جائے تب بھی سیوف قلعیہ ایک خالص ہندوستانی صنعت ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کچا لوہا باہر کا تھا۔ تلوار سازی تو ہندی ہی تھی۔

ایک بخیل خالد بن یزید کے بیان سالقی علیك اسرار السیوف القلعیہ یعنی میں تجھے قلعی تلواروں کے رموز کی تعلیم دوں گا (۹۹) اور "تربیع" میں (۱۰۰) جاحظ کا ابن عبدالوہاب سے سوال کہ قلعہ کس نے بنایا؟ سے ثابت ہے کہ اہل ہند اپنی بہت سی صنعتوں کی طرح قلعی تلواروں کی صنعت کو ایک تجارتی راز کے طور پر عوام خصوصاً مغربی ایشیائیوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ کیونکہ وہی ان کے زیادہ قدردان تھے۔

جاحظ نے نعال سندھیہ کا ذکر اپنی ایک سے زیادہ کتابوں میں کیا ہے۔ "بخلاء" میں ہے (۱۰۱) میں نے اسد کو ہمیشہ جوتے ہاتھ میں تھامے دیکھا یا پھر ایڑی کٹے جوتے پہنے ہوئے جو سخت تکلیف دہ ہوتے ہیں ــ مقطوعۃ العقب شدید لا علی صاحبھا ــ اسد نے کہا یہ تو

مجوسی ہیں جو دنیا جہان میں سندھی جوتے پہنے چرتے پھرتے ہیں (کیا میں بھی ایسا ہی کروں ؟)
کہا گیا : لا یستعمل فی دینہ المشترکہ ۔ اس کے دین میں تسمہ بند جوتا پہننا جائز نہیں ۔ اسی لئے تو تم دیکھتے ہو کہ مجوسی ننگے پیر رہتا ہے یا پھر سندھی جوتے پہنتا ہے ۔ تم تو مسلمان ہو اور صاحب ثبوت "تربیع" میں ہے ۔ سندھی جوتوں کے متعلق مختلف باتیں بیان کی گئی ہیں ۔ ایک گروہ کہتا ہے، کتاب الباہ کا مولف بہت پست قامت تھا ۔ عورت پر دیوانہ وار فریفتہ تو تھا ہی اس جوتے (کی اڑی یا تلے یا دونوں) کی موٹائی کے ذریعہ اُس نے اپنا قد اونچا دکھانے کی ترکیب نکالی (تاکہ خوب رویوں کی نظر میں خفیف نہ ہو) حقیقی علت غائی کی کھوج لگائے بغیر بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ایسے جوتے زینت کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں ۔ یا یہ کہ اس میں کچھ فائدہ ہے ۔ (باقی)

"نظامِ دین میں سنت کا مقام کیا ہے؟"

اس کا مفصل اور مدلل جواب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور کے منصب رسالت نمبر میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ اس میں انکار سنت کے تمام دلائل اور اس کے تفصیلی جوابات آپکو یکجا مل جائینگے ۔ یہ نمبر انشاء اللہ ستمبر ۱۹۶۱ء کے پہلے ہفتہ میں شائع ہو جائیگا ۔ ضخامت (اندازاً) ۵۰۰ صفحات قیمت تین روپے ۵۰ پیسے ۔

مندرجات ایک نظر میں

(۱) فتنۂ انکار حدیث کا تاریخی و فکری جائزہ از مولانا مودودی (۲) ڈاکٹر عبدالودود اور مودودی کے مابین مراسلت (۳) ڈاکٹر صاحب کا آخری خط اور اس کا جواب از مولانا مودودی (۴) سنت اور اجتہاد کے بارے میں مغربی پاکستان ہائیکورٹ کے ایک فاضل جج کے نظریات پر تبصرہ از مولانا مودودی ــــ یہ اشاعت خاص سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہم موضوع پر ایک تاریخی دستاویز اور ایک مستقل کتاب ہوگی ــ یہ نمبر تمام خریداروں کو بذریعہ رجسٹری بھیجا جائیگا تاکہ ڈاک میں ضائع ہو جانے کا خطرہ نہ رہے ۔ ابھی سے پرچہ محفوظ کرانے کے لئے ۔ صرف اس اشاعت خاص کے خریدار مبلغ چار روپے صرف ترجمان القرآن کے مستقل خریدار مبلغ دو روپے ۵۰ پیسے ۔ نئے مستقل خریدار سالانہ چندہ سمیت مبلغ ۸ روپے ۵۰ پیسے بذریعہ منی آرڈر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور میں روانہ فرمائیں ۔ اس رقم میں خاص نمبر کی قیمت اور رجسٹری کا خرچ (۵۰ پیسے) دونوں شامل ہیں ۔

منیجر رسالہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور